اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:3، شمارہ:2 (جولائی تا دسمبر 2025ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

کومل شہزادی
پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

نو تاریخیت اور اُردو ناول: سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں

Komal Shahzadi
PhD Urdu Scholar, GC Women University, Sialkot
Dr. Sabina Awais Awan
Associate Professor, GC Women University, Sialkot

Neo Historicism and Urdu Novel: In Context of Fall of Dhaka

ABSTRACT
Neo historicism is a literary term coined by Stephen Greenblatt in the United States in the 1980s. He is of the view that along with literary text, non-literary text is also of equal importance to understand the functioning power and sociopolitical dynamics of the society. Moreover, critics of neo-historicism say that history is based on prejudices, while fiction has some truth to it. In the context of neo historicism, in this research article, it is tried to explore the tragedy of Fall of Dhaka through the lens of literary text of Urdu Novels: Khas o Khashak Zamanay, Raakh, Matti Adam Khati hay and Makhota. Each author has described this tragedy in one's own way in the form of literary texts, so that the emotions and feelings of the people and its real facts become very clear to the reader.

Keywords: *Neo Historicism, Fall of Dhaka, Mukhiota, Main ny Dhaka Dobtay Daikga, Matti Adam Khati hy, Khas o Khashak Zamanay, Rakh*

نو تاریخیت ایک ادبی اصطلاح ہے جس کا استعمال ابتدائی طور پر اسٹیفن گرین بلاٹ (Stephan Greenblatt) نے اسی کی دہائی میں امریکہ میں کیا۔ ان کے مطابق کسی حقیقت کے ادراک کے لیے ادبی متن کے ساتھ ساتھ اُسی عہد کا غیر ادبی متن بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی تھیوری وجود میں آتی ہے تو اس کے پیچھے ایک طویل عرصے کی علمیات اور بہت سے نظریات شامل ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں نو تاریخیت کے ناقدین کا کہنا ہے کہ محض تاریخ کسی حد تک تعصبات پر مبنی ہوتی ہے جبکہ فکشن میں کہیں نہ کہیں سچائی کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ اس مقالے میں ہم تاریخ کے ایک اہم سانحے یعنی سقوطِ ڈھاکہ کو نو تاریخیت کے تناظر میں ناول کے تخلیقی متن کی مدد سے دیکھتے

ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پاکستان کی تاریخ کا وہ سانحہ ہے جسے کئی مصنفین نے تخلیقی ادب میں اپنے اپنے انداز سے برتا ہے۔

اس ضمن میں مستنصر حسین تارڑ کا ناول "خس و خاشاک زمانے" بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں سانحہ مشرقی پاکستان اور اس سے متعلق ظلم و جبر کی داستان کا ذکر منفرد انداز میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کی نوتاریخی پڑھت بہت سے مخفی حقائق عیاں کرتی ہے جس سے یہ سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ کے پاکستان کی تاریخ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ناول میں اس سانحے سے متعلق کئی واقعات اور ان کے مابعد اثرات کو تحریر کیا گیا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے اصل حقائق تک رسائی اس وقت مشکل ہو جاتی ہے جب اس تنازعے کے کسی ایک فریق کو بری الذمہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مذکورہ ناول میں بنگالی عوام پر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان سنائی گئی ہے ناول نگار کے مطابق مکتی باہنی کی تشدد پسند تربیت اور مہلک ترین ہتھیاروں کی بنگال کی فضا کو عوام کے لیے تکلیف دہ بنا رہی تھی۔ ہر طرف نفرت پھیل رہی تھی جو کہ ظلم کے رد عمل کے طور پر ابھر رہی تھی۔ اس حوالے سے ناول کا اقتباس دیکھیے:

> "پوری قوم بری الذمہ ہو گئی جبکہ قوم کا ہر فرد اس جرم میں نہ صرف شریک تھا بلکہ فخر کرتا تھا کہ تھینک گاڈ۔۔۔ پاکستان بچ گیا۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔"(1)

ناول خس و خاشاک زمانے میں فوجی کارروائی اور ہتھیار ڈالنے کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس واقعے کے لیے سپاہی فتح محمد کی آپ بیتی سے مدد لی گئی ہے۔ "اللہ دتہ شیخ ابھی روتا ہوا آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان ریڈیو پر تو منڈیوں کے بھاؤ نشر ہو رہے ہیں۔ ملی نغمے گائے جا رہے ہیں۔ جاگ اُٹھا ہے سارا وطن۔"(2)

ناول میں ذوالفقار علی بھٹو کی خدمات کے حوالے سے سقوطِ ڈھاکہ کے موقع پر قید پاکستانی فوجیوں کی رہائی کے معاہدے کی کامیابی کو ان کی فراست کا نتیجہ گردانا گیا ہے۔ عوام میں بھٹو کے سحر کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کے دوسرے پہلو کو بھی اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

> "الیکشن کے دوران جیسے اس کا وزیر قانون بیلٹ باکس کو بغل میں دبا کر پولنگ اسٹیشن سے باہر آتا ہے کلیشن کو لہرا رہا ہے۔"(3)

اس سلسلے میں مستنصر حسین تارڑ کا ایک اور ناول "راکھ" ہے جس میں سقوطِ ڈھاکہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں اور اس سے سانحے کی حقیقی وجوہات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ناول کے ادبی متن میں اس سانحے سے متعلق عوامی سطح پر پایا جانا والا غم و غصہ اور بعض صورتوں میں نفرت کو بہت واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مکتی باہنی جو مشرقی پاکستان میں شروع ہونے والی مزاحمتی تحریک تھی، سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے میں اس کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس تحریک سے مشرقی پاکستان میں ہر طرف انتشار اور خوف کی فضا پھیلتی چلی گئی۔ اس تحریک نے مغربی و مشرقی پاکستان میں ایک خلیج پیدا کرنے کی عملی کوشش کی اور اسے کامیاب کرنے کے لیے بنگالی عوام، طلبہ، سیاسی کارکنوں اور کچھ

مسلح جوانوں نے سر توڑ کوشش کی۔ ناول کے کچھ کرداروں کی مدد سے تاریخ کے اس واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ناول کے کردار مردان کو مکتی باہنی کے کارکنوں سے شدید نفرت اور خوف ہے جس کا اظہار ناول میں یوں ہوا ہے:

"کیپٹن مردان علی بار بار اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتا تھا اور اس کے دل میں مکتی باہنی کے ان بنگالی باسٹرز کے لیے نفرت کے پہلو بہ پہلو خوف کا عنصر بھی کروٹیں لیتا تھا۔ ایک کروٹ میں ان کی بگڑی ہوئی شکلیں، کسی دلدل میں۔۔۔ کسی درخت سے لٹکتے ہوئے دیکھتا تھا۔"(4)

1971ء کی جس شورش نے ماہ دسمبر میں پاکستان اور بھارت کے درمیان باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کی اس کی ابتدا مارچ میں ہو چکی تھی۔ اغیار اس کی پشت پناہی کر رہے تھے جس کے آثار شروع ہی سے نظر آ رہے تھے اس لیے موقع ملتے ہی مخالفین نے بنگالیوں کی آزادی کے لیے عملی حمایت سرعام شروع کر دی تھی۔ ناول کے متن کے لحاظ سے یہ سانحہ ہندوستان کے لیے ایک فیلڈ ڈے تھا جس کا اظہار کچھ یوں ہوا ہے:

"ہندوستان کے لیے یہ ایک فیلڈ ڈے تھا وہ ایک قوم کی تاریخ سے روگردانی اور لاعلمی اور آغا جی ایسے سینکڑوں دھماکوں کی وجہ سے چیمپین بن چکا ہے ان کا وزیر دفاع جیون رام خود کہتا ہے کہ ہم نے ایک لاکھ 30 ہزار بنگالیوں کو پاکستان فوج کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دی ہے۔"(5)

مکتی باہنی کی کارروائیوں کے سبب بنگالیوں اور مغربی پاکستان کے لوگوں کے مابین شدید نفرت کی لہر چل پڑی۔ ایک دوسرے کے متعلق نفرت کی بو محسوس ہونے لگی۔ باقی اصل حقیقت کو حالات و واقعات کی تغیر پذیر دھند میں کوئی جان نہ سکا۔ پاکستانی بنگلہ دیش سے نفرت اور بنگلہ دیشی پاکستان سے نفرت کرنے لگے۔ ناول کے متن میں بھی اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے جیسے شوبھا مردان سے انسپکٹر نے پوچھا تو اس نے اپنے آدھے بنگلا دیشی ہونے کا اظہار کیا تو اس کو حراست میں لینے کا کہا گیا انسپکٹر کو اس نے بتایا کہ کراچی میں بہت سے قانونی بنگلہ دیشی موجود ہیں۔

مشرقی و مغربی پاکستان کے سیاسی و عسکری قائدین کے درمیان اختلافِ رائے بڑھتا چلا جاتا تھا اور صوبائی و قومی حکومتوں کے درمیان بھی عدم تعاون چل رہا تھا۔ کوئی چھ نکات کے فارمولے تو کوئی مرکز میں اپنی حکومتوں کے قیام کو لے کر اپنی اپنی باتوں پر اڑے ہوئے تھے۔ اس سانحے سے قبل انتشار سے شاید وہ سب اندازہ لگانے سے قاصر تھے کہ اس کے نتیجے میں ملک دولخت ہو سکتا ہے اور یہ سانحہ ہمیشہ کے لیے ہماری تاریخ میں ایک المیے کے طور پر مرتسم ہو جائے گا۔ اس لیے صدیق سالک نے اپنی رائے میں احتیاط برتتے ہوئے لکھا ہے:

"اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ یحیی خان، مجیب الرحمن اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مذاکرات صرف بھٹو کی حب الوطنی کی وجہ سے ناکام ہو گئے۔ مستقبل کے مورخ کو تاریخ کے لیے مزید شہادتیں اکٹھی کرنا ہوں گی۔"(6)

البتہ اس واقعے نے بنگالی عوام کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرت بھر دی جسے ناول کے ایک کردار مسز حسین کے وسیلے سے اظہار ملتا ہے۔ "مجھے پاکستان سے نفرت ہے" یہ پہلا فقرہ تھا جو مسز حسین نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔۔۔ تم پہلے پاکستانی ہو جس کے ساتھ میں نے بنگلہ دیش بننے کے بعد بات کی۔۔۔ مجھے اور میرے خاوند کو ایکسپلائٹ کیا گیا تھا۔ محمد حمید شاہد کا ناول "مٹی آدم کھاتی ہے" میں بھی سقوطِ ڈھاکہ کی کہانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مختلف کرداروں کے ذریعے اس سانحہ کو بہت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کے دیباچے میں شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

> "یہ ناول اس لحاظ سے الگ ہے کہ بنگلہ دیش کی اصل سے نظر ملانے کی کوشش، محبت کی داستان اور ظلم و ستم کے ذکر کو اکٹھا کر دیتی ہے۔"(7)

اس سانحہ کو ہر مصنف نے ادبی متون کی صورت میں اپنے اپنے انداز میں بہترین طریقے سے بیان کیا ہے کہ اس سانحہ کے جو عوام کے جذبات و احساسات ہیں اور اس کے اصل حقائق تھے وہ بہت حد تک قاری پر واضح ہو جاتے ہیں۔ کہانی کا ایک کردار کیپٹن سلیم ہے جو مشرقی پاکستان میں تعینات ہیں۔ وہاں ایک بنگالی فومی افسر کی بیوی کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ منیبہ بنگالی حسن کا شاہکار ہے۔ اس کے باپ کو مکتی باہنی کے کارکن قتل کر دیتے ہیں اور وہ اس کا قتل کا ذمہ دار اپنے شوہر کو تصور کرتے ہوئے اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ بنگالی افسروں کے ساتھ کیپٹن سلیم کو فرار ہونے میں مدد دیتی ہے اور اپنا زیور تک ان کے لیے قربان کر دیتی ہے۔ اس ناول میں ایک اہم تحریک سرزمین بنگلہ دیش میں اٹھنے والی مکتی باہنی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ کیپٹن سلیم بنگلہ دیش جاتا ہے اور دیکھتا ہے وہاں کے مقامی باشندے پاکستان کی محبت میں مبتلا ہیں۔ اس کے دوست کی بیوی منیبہ سرزمین پاکستان کی حامی ہے لیکن اس کے ملک کے مشنری اس کی جان لے لیتے ہیں۔ ناول میں محمد حمید شاہد اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

> "یقین جانو یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنی سرزمین چھوڑنے کو تیار ہو جائے گی۔ محض اس کا اچھلتا ہوا وجود دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ جہاں سے پانی کے چھینٹے اوپر کو اٹھے تھے وہاں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔"(8)

ڈاکٹر نجیبہ عارف کا ناول "مکھوٹا" جو اکیسویں صدی کا ایک اہم ناول ہے اس میں بھی سقوطِ ڈھاکہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ناول مکھوٹا کا پہلا حصہ سقوطِ ڈھاکہ سے متعلق ہے۔ اس ناول کے نو تاریخی مطالعے سے ہمیں اس وقت کے حالات سے بخوبی آشنائی ہو جاتی ہے۔ یہ 70 کی دہائی کے آخری دن تھے ملکی سیاست انتہائی نازک مرحلے سے گزر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا ایک خواب تھا جو بکھر گیا۔ اس کے ٹکڑے فضا میں اچھل رہے تھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ ملکی سیاست کو بین الاقوامی منظر نامے کی روشنی میں دیکھنے اور پرکھنے کا رواج ابھی اتنا عام نہیں ہوا تھا۔ لوگ سامنے کے ٹھوس حقائق پر نظر رکھتے تھے اور انہی سے اپنی رائے استوار کرتے تھے لیکن سقوطِ ڈھاکہ ایک احساسِ انا تھا جو ہر ایک کی زبان پر عام تھا۔ اس حوالے سے توصیف احمد خان رقم طراز ہیں:

"مشرقی پاکستان میں گھر گھر بنگلہ دیش کے پرچم لہرا رہے تھے، اس کے حق میں نعرے لگائے جا رہے تھے، مخالفین کو قتل کیا گیا اور غیر بنگالی لڑکیوں کو اکثر مقامات پر اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ ایک پاکستان کی بات کرتی تھیں۔"(9)

ڈاکٹر نجیبہ عارف نے اس سانحے کی عمدہ عکاسی کی ہے اور اس وقت کی صورتحال کو اور عوام کے جذبات و احساسات کو ناول کے چند کرداروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ اس سانحے سے نا صرف بڑے بلکہ بچے بھی غمزدہ ہوئے ڈاکٹر نجیبہ نے اس کرب کو سلیمہ بی بی اور اس کے والدین کے کرداروں کے ذریعے یوں بیان کیا ہے:

"ابا کمرے میں بند ہو کر دیر تک اونچی آواز میں روتے رہے تھے اور اماں کمرے کے باہر چوکھٹ پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ ہائے پاکستان ٹوٹ گیا۔"(10)

20 دسمبر 1971ء سے پاکستان کا نیا باب شروع ہوا۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا تھا اور مغربی پاکستان ہی کل پاکستان تھا۔ اس سانحے کا اثر نوجوانوں نے بہت لیا۔ جیسے کوئی بہت بڑا المناک واقعہ ان کے وجود سے گزر گیا ہو۔ سلیمہ بی بی کے کردار کے وسیلے سے ناول نگار نے نوجوانوں کے کرب ناک جذبات کی عکاسی کی ہے۔ کم عمر سلیمہ بی بی جو اس دکھی ماحول سے نکل گئی تھی لیکن یہ واقعہ اس کے وجود کے اندر بھی اتر گیا تھا۔ اس کا پاکستان کو کسی زندہ وجود کی طرح محسوس کرنے کا آغاز اسی زمانے یعنی کم عمری سے ہو گیا تھا۔ ناول کے اس کردار سے ہر محب وطنی کی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سانحے نے ہر چھوٹے بڑے فرد کو گہرا صدمہ دیا تھا۔ سلیمہ بی بی کی طرح ہر پاکستانی اس سانحے سے غمزدہ ہوا۔ جو کیفیات سلیمہ بی بی کی تھیں وہی کیفیات اس وقت ہر ایک پاکستانی نوجوان کی رہی ہوں گی۔ سقوطِ ڈھاکہ کے واقعات نے سلیمہ بی بی کے دل و دماغ میں ایک گہرے ذاتی صدمے کا احساس بھر دیا تھا۔ شکست اور خجالت کا احساس اس کے اندر گہرا اتر گیا تھا۔ اس نے پہلی بار خود کو قومی تشخص سے وابستہ محسوس کیا تھا۔ ایک پاکستانی ہونے کا احساس، ایسا پاکستانی جس کے ملک کے دو ٹکڑے کر دیے گئے تھے۔ جس کے فوجی سپاہیوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا اور جس کی آزادی اور خود مختاری پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس سانحے سے ہر ایک کی آنکھ پُرنم تھی۔ اخبار کے صفحوں پر سرخیاں زیادہ ہی کالی ہو گئی تھیں۔ ہر طرف کی یہ ہی کیفیت تھی حتیٰ کہ فضا بھی دھندلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ناول کی نو تاریخی قرات سے پاکستانی عوام کے جذبات و احساسات کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔ ناول کی نو تاریخی قرات سے ہمیں بہاریوں کا بھی علم ہوتا ہے جو سانحہ مشرق پاکستان کے وقت ہوا۔ آج بہت سے بہاری پاکستان اور ہندوستان میں بھی رہتے ہیں۔ پاکستان اور نہ ہی بنگلہ دیش نے بہاریوں کو شہریت دینے پر اتفاق کیا۔ جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد سے وہ موثر طریقے سے بے وطن ہو گئے۔ ان کے بارے میں یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"Disenfranchised, Isolated, lacking leadership, and having opted initially for repatriation to Pakistan, they had been labelled stranded Pakistanis and left in limbo."(11)

نو تاریخی تناظر میں ہمیں بہاریوں کے پس منظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف نے ناول میں بہاریوں کی سانحہ مشرقی پاکستان کے وقت کی صورتحال کی عکاسی کی ہے جس سے بہاریوں کی اصل کیفیت سامنے آتی ہے۔ سانحہ کے بعد ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت میں بھاری کیمپ قائم کیا جاتا ہے۔

مصیبت اور تباہی کبھی اکیلے نہیں آتی۔ رنج اور مایوسی کا ایک طویل اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے۔ وطن عزیز کو قائم ہوئے 60 سے زائد برس ہو چکے ہیں لیکن منزل ہنوز دور ہے۔ تقسیم ہند اور اس سے پیدا ہونے والی سماجی، سیاسی اور ثقافتی پیچیدگیوں سے قوم اس عرصے میں بہ مشکل عہدہ برآ ہوئی ہے لیکن اس دوران میں بھی سقوطِ ڈھاکہ نے قوم کو ایک عجیب ذہنی، نظریاتی اور ثقافتی بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ اس طرح ڈھاکہ کے بعد یہ ادیب ہی تھے جنہوں نے اس پر کھل کر اظہار خیال کیا بلکہ انہوں نے محنت سے قومی سکتے اور جمود کو توڑا۔ سانحات ایک دن ہی وقوع پذیر نہیں ہوا کرتے بلکہ ان کو بھی تجسیمی اور نامیاتی عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان سے خطے کو ایک بار پھر شکست اور ریخت کے عمل سے دوچار کر دیا گیا۔ اس سانحے کے ہر پہلو کو ادبا نے موضوع بنایا اور قوم کے سنگین بحران میں قلمی سہارا بخشا:

"سقوطِ مشرقی پاکستان ہو یا قدرتی آفات کی وقوع پذیری یا قومی شخصیات کا قتل ہر ایسے موقع پر رائے عامہ دانشوروں سے رہنمائی کی طالب ہوتی ہے۔"(12)

نو تاریخی تناظر میں ہمیں بہاریوں کے پس منظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ناول کی نو تاریخی قرات سے بہاریوں کی اصل کیفیت سامنے آتی ہے۔ سانحہ کے بعد ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت میں بہاری کیمپ قائم کیا جاتا ہے۔ سکولوں میں بہاریوں کے لیے چندہ جمع کیا گیا تھا۔ لوگوں نے اناج اور کپڑوں کے پیکٹ بنائے تھے اور بہاری کیمپ میں جا جا دیے تھے۔ ڈاکٹر نجیبہ نے سلیمہ بی بی کے کردار سے اس وقت کے لوگوں کی بہاریوں کے لیے ہمدردی کی بھرپور عکاسی کی۔ ناول کے اس حصے کی نو تاریخی پڑھت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بے بس بہاریوں کی کس انداز سے مدد کی گئی:

"سلیمہ بی بی سکول کی لڑکیوں اور استادوں کے ساتھ بہاری کیمپ گئی تھی ان کی بیچارگی کو ناول نگار تذکرہ کرتی ہیں کیمپ کی عارضی پناہ گاہوں کی ہلکی ہلکی دیواروں کے پیچھے دبکے ہوئے یہ بہاری یا تو خاموش رہتے تھے۔ سلیمہ بی بی کی طرح اس وقت

کوئی بھی ان کی حالت اظہار کو دیکھتا تو ان کی مہاجرت اور بے بسی کے کرب کو
محسوس کیا جاتا۔"[13]

70 کی دہائی کے سیاسی حالات سے جنم لینے والے سانحے نے صدماتی کیفیت کے ساتھ قومی شعور کو بھی بیدار کیا۔ اس سلسلے میں قومی و سیاسی شعور کا اگلا سنگ میل لاہور میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس بنی۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کا مقصد اسلامی ریاستوں کی یکجہتی اور آہم آہنگی کو فروغ دینا تھا تاکہ مستقبل ایسے سانحات سے بچا جاسکے جس سے اسلامی ممالک کمزور ہوتے ہیں۔ یوں اس وقت کی سیاسی قیادت نے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے ذاتی مفاد پر قومی وملی مفاد کو ترجیح دی۔ اس کانفرنس کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو نے 1972ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میرا سب سے بڑا دوست میرا ملک ہے۔ ملک کے مفاد کے تحت میں اپنے خاندان
کو بھی قربان کر دوں گا۔"[14]

اگر مجموعی طور پر دیکھیں تو اردو ناول کی نو تاریخی قرات ہمیں سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے سے متعلق اہم اور نازک واقعات کے ذریعے بہت سے نئے حقائق سے روشناس کراتی ہے۔ ناول "خس و خاشاک زمانے" کے کردار ہوں یا ناول "راکھ" کے، ان کے ذریعے ہمیں اس وقت کی عوامی، سیاسی اور عسکری جہات و ترجیحات سے بہ خوبی آگاہی ملتی ہے۔ ناول "مٹی آدم کھاتی ہے" میں آنکھ سے اوجھل سچائیوں کو کھوجنے کے جتن کیے گئے ہیں اور ناول "مکھوٹا" کے ذریعے جس طرح بہاریوں کی گم شدہ شناخت کو سامنے لایا گیا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تاریخ کو پلٹ کر دیکھنے کا نیا زاویہ کس قدر اہم ہو سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ص388

2۔ ایضاً، ص401

3- ایضاً، ص416

4- مستنصر حسین تارڑ، راکھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2012ء، ص579

5- ایضاً، ص486

6- صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، ملک سنز، لاہور، 2001ء، ص43

7- محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، اکادمی بازیافت، کراچی، 2007ء، ص15

8- ایضاً، ص۸۶، ۸۵

9- توصیف احمد خان، آدھا پاکستان، نگارشات، لاہور، 2004ء، ص78

10-نجیبہ عارف ڈاکٹر مکھوٹا، عکس پبلیکیشن، لاہور، 2023ء، ص73
11-ریڈ کلف، سبجیکٹویٹی اور سیٹیزن شپ: انٹر سیکشن آف سپیس، ایتھنی سیٹی اور شناخت برائے بنگلہ دیشی اُردو سپیکنگ اقلیت، جرنل آف انٹر نیشنل مائیگریشن اور انٹیگریشن، جلد25، شمارہ12، 2010ء، ص25
12-شاہد رضوی,ڈاکٹر، ابتدائیہ، سہ ماہی الزبیر، شمارہ نمبر4، 2007ء
13-نجیبہ عارف، ڈاکٹر، مکھوٹا، عکس پبلی کیشن، لاہور، 2023ء، مکھوٹا، ص74
14-نسیم اقبال ناصر، بھٹو ایک فلاسفر، فکشن ہاوس، لاہور، 2003ء، ص96

References in Roman Script:

1. Mustanser Hussain Tarar, Khas o Khashak Zamanay, Sang e Meel Publications, Lahore, 2010, P.388
2. Ibid., P. 401
3. Ibid., P. 416
4. Mustanser Hussain Tarar, Rakh, Sang e Meel Publications, Lahore, 2012, P.579
5. Ibid., P.486
6. Sadeeq Salik, Main nay Dhaka Dobtay Daikha, Malik Son's, Lahore ,2001, P.34
7. Muhammad Hameed Shahid, Matti Adam Khati Hay, Academy Bazyaft, Karachi, 2007, P.15
8. Ibid., P.85-86
9. Toseef Ahmad Khan, Adha Pakistan, Nigarshat Publishers, Lahore, 2004, P.78
10. Najeeba Arif, Dr., Mukhota, Aks Publications, Lahore, 2003, P.73
11. Redclift, Subjectivity and Citizenship: Intersections of Space, Ethnicity and Identity Among the Urdu Speaking Minority in Bangladesh, Journal of International Migration and Integration, V:25(12), 2010, P.25
12. Shahid Rizwi, Dr., Samahi Az Zubair, Shumara, 4,2007, P. Ibtedaya
13. Najeeba Arif, Dr., Mukhota, P.74
14. Naseem Iqbal Nasir, Bhutto Aik Philosopher, Fiction House, Lahore, 2003, P.96